ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مسودے کی تکنیک کا ارتقا اور خواب سراب

The Development of Drafting Technique and Khawab Sarab

***مدیحہ یوسف**
پی ایچ۔ڈی اردو (اسکالر)، یونیورسٹی اف ایجوکیشن، لاہور
****آسیہ محمد اشرف**
لیکچرر اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، بدوملہی نارووال

Abstract:

The original text, which is written by hand on papers before being published in book form, is called a manuscript. The manuscript is made publishable by going through the proper editing process. Generally, the writing style of an Urdu novel is descriptive and an attempt is made to cover almost all aspects of life in a unique way. Novelists of the 21st century weave their stories through a single narrator, and this style is very popular among contemporary novelists. Another such style is the technique of drafting, with the help of which the novelist first arouses curiosity in the mind of the reader that the proposed writing is not his own but received from some place or region and then creates his own story with it. In this way, not only the tendency towards draft technique increased among Urdu novelists, but the common reader also felt interest in it. The technique of drafting in an Urdu novel fascinates the reader from the very beginning. Many novelists have used the drafting technique skillfully. One of them is Dr. Anees Ashfaq. "Khawab Sarab"shows a firm commitment to the technique of draftsmanship. This novel also creates a deviation somewhere in the continuity of this technique that the author did not create a story before its creation, but the whole novel was written in search of this manuscript and the story of the people found during this search was also submitted in written form. Dr. Anees Ashfaq has gained fame in the literary circles for presenting a fascinating depiction of Lucknow in novel form. In the mentioned novel, "Khawab Sarab," a strong and successful attempt has been made to show Lucknow in the context of common civilization and culture. The writer has presented an overview of the use and development of drafting technique in this article.

Keywords: Manuscript, Technique, Development, khawab Sarab, Anees Ashfaq, Lucknow, civilization, creation, metaphor, plot.

کلیدی الفاظ: مسودہ، تکنیک، ارتقاء، خواب سراب، انیس اشفاق، لکھنؤ، تہذیب، تخلیق، استعارہ، پلاٹ

مسودہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو زبان میں بہ طور اسم مستعمل ہے۔ طباعت کی خاطر ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر جس میں اصلاح و ترمیم کی گنجائش موجود ہو۔ اس سے مراد اصل تحریر جو کتابی شکل میں شائع ہونے سے قبل اوراق پر ہاتھ سے لکھی جائے، مسودہ کہلاتا ہے۔ مسودے کو مناسب ترتیب وتدوین کے عمل سے گزار کر قابل اشاعت بنایا جاتا ہے۔ عموماً اردو ناول کا انداز تحریر بیانیہ ہوتا ہے اور اس میں زندگی کے قریباً سبھی پہلو منفرد انداز میں سمونے کی سعی کی جاتی ہے۔ تاہم مرور ایام کے ساتھ جہاں انسان نے ترقی کی کئی منازل کو عبور کر لیا ہے وہاں اردو ناول کے موضوعات اور اسالیب کے متعدد تجربات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان تجربات میں کہیں انداز سرگزشت، سائنسی فکشن، اسلامی وتاریخی موضوعات اور انسانی زندگی کے نشیب و فراز کو کچھ ناول نگاروں نے بہ عنوان تحریر کیا، عددی ترتیب دی ، کچھ نے علامتوں کا سہارا لے کر اپنا مدعا بیان کیا۔ ایسے میں اکیسویں صدی کے ناول نگاروں نے واحد متکلم کے ذریعے سے اپنی کہانیوں کی بنت کی اور یہ طریقہ اسلوب آج کل کے ناول نگاروں کے ہاں بڑا معروف ہے۔ ایسی ہی ایک اور انداز مسودے کی تکنیک کا ہے، جس کے سہارے ناول نگار پہلے قاری کے ذہن میں تجسس ابھارتا ہے کہ مجوزہ تحریر اس کی اپنی نہیں بلکہ اس کو کسی جگہ یا علاقے سے موصول ہوئی ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اور پھر اس کے بین بین اپنی کہانی بھی بنتا رہتا ہے۔اس طرح اردو ناول نگاروں میں مسودے کی تکنیک کی جانب نہ صرف رجحان بڑھا بلکہ عام قاری نے بھی اس میں دل چسپی محسوس کی۔ اس تکنیک کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیر کا کہنا ہے کہ :

"یہ مسودے کی تکنیک دراصل کہانی کی زبانی اور تحریری روایتوں کو یکجا کرنے اور ان سے ایک نئی طرز کی کہانی وضع کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ زبانی اور تحریری دونوں طرح کی کہانیوں میں کئی رخنے رہ جاتے ہیں، جنھیں اس تکنیک کے ذریعے پر کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔"(۱)

بیانیہ انداز تحریر میں ناول ایک عمدہ مثال ہے۔ناول اپنے آغاز کے چند صفحات کے ساتھ ہی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔بقول نثار عزیز بٹ کہ ناول کے کردار ناول نگار کے سامنے چند مقامات پر منہ زور ہو جاتے ہیں اور ناول نگار کو اپنے خدوخال تراشنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔اردو ناول میں مسودے کی تکنیک اپنے آغاز سے ہی قاری کو اپنے سحر میں مبتلا کر دیتی ہے۔اس تکنیک پر مبنی ناول آغاز سے ہی تجسس اور تخیل کو نہ صرف جنم دیتا ہے بلکہ کیا ہو رہا ہے؟ آگے کیا ہو گا؟ اور کس نہج پر پہنچ کر کہانی آشکار ہو گی؟ اور اصل مدعا سامنے کب آئے گا؟ جیسے سوالات کے جوابات تلاش کرتا ہے۔

اسلم سراج الدین "مٹی آدم کھاتی ہے" کے اجمالی جائزے میں مسودے کی تکنیک کی تحسین و توضیح کرتے ہوئے اپنے مضمون کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"تمہاری تکنیک مجھے تسلیم۔اس نے منوایا ہے اپنے اپ کو۔یہی تو ہے، جس نے روزمرہ کے پیش پا افتادہ واقعات کو تازہ دم کر کے قابل توجہ اور غیر معمولی بنا دیا ہے۔سچ پوچھو تو کہوں کہ حاسد ہوا ہوں میں تم سے اس تکنیک کی بنا پر۔"(۲)

یہ تکنیک "کئی چاند تھے سر آسماں"(۲۰۰۶ء) شمس الرحمان فاروقی کے ناول میں بھی برتی گئی ہے۔وزیر خانم کے تعارف سے شروع ہونے والا یہ ناول، جب اپنے دوسرے باب بہ عنوان "صوفیہ" میں سلیم جعفر، شمیم جعفر اور وسیم جعفر کے شجرہ نسب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب وہ برٹش لائبریری انڈیا کے کتب خانے میں پرانے کاغذات کو الٹنے پلٹنے میں مصروف ہوتا ہے، تبھی اس کی نظر اپنی پردادی کی تصویر پر پڑتی ہے۔وہ کہانی جو اس نے اپنے آباؤاجداد/جدامجد سے سن رکھی ہوتی ہے، اس کی پہلی کڑی (وزیر خانم کی تصویر) اس کے ہاتھ لگ جاتی ہے۔وسیم جعفر کو آباؤاجداد کے خاندانوں کا شجرہ اور تاریخی حالات جاننے کا تجسس ہوتا ہے ایسے میں جب اس کو اپنے خاندان سے منسلکہ ایک تصویر ملتی ہے تو اس کو شمس الرحمان فاروقی نے اس طرح بیان کیا ہے:

"وزیر خانم کی تصویر مرزا فخرو کے روزنامچے میں دو ورقوں کے بیچ رکھی ہوئی تھی۔میں شاید وہ پہلا شخص ہوں گا، جس نے اس روزنامچے کے سارے ورق کھول کر دیکھے۔میں نے تصویر پلٹی تو دیکھا کہ اس پر خط شکستہ میں تحریر تھی، مٹی مٹی سی شبیہ حقیقی وزیر خانم صاحب عرف چھوٹی بیگم، سلمہا اللہ تعالی۔ تصویر کو میں نے بے سوچے سمجھے جیکٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لیا۔"(۳)

مجوزہ بالا اقتباس کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسودے کی تکنیک کے ابتدائی نقوش ہمیں کئی چاند تھے سر آسمان ناول میں ملتے ہیں۔اس تکنیک کے استعمال سے یہ تاریخ ساز ناول، جو کہانی کے ساتھ ساتھ اس عہد کی زبوں حالی کا بھی نقاش ہے اور جو افسانوی ادب کے قالب میں ڈھل کر اس صدی کا شاہ کار ناول بن چکا ہے، اس دور کی نہ صرف تصویر پیش کرتا ہے بلکہ یہ ناول اس عہد کی مصوری، موسیقی، شاعری اور ادیبوں کے حالات زندگی کو بھی بڑی عمدگی سے بیان کرتا ہے۔اگرچہ اس ناول کا اسلوب فارسیت پر مبنی ہے، لیکن کہانی کی بنت میں شمس الرحمن فاروقی نے کمال ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔مسودے کی تکنیک کی ثانوی کڑی ایک سال بعد حمید شاہد کا شائع ہونے والا ناول "مٹی آدم کھاتی ہے"(۲۰۰۸) میں منصہ شہود پر آتا ہے، جس میں اس تکنیک کو بنیاد بنا کر ہی کہانی کا آغاز کیا جاتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ناول کی کہانی سے قبل مسودے کی کہانی ۴۰ صفحات پر مبنی ہے۔اس تکنیک میں کہانی سے قبل ایک کہانی تجسس اور دل چسپی کے عنصر کو اصل کہانی سے نتھی کر دیتی ہے اور قاری ناول کو مکمل کرنے کے بعد بھی اسی کے سحر میں مبتلا رہتا ہے۔ مسودے کی تکنیک کی مدد میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس تکنیک نے کم عمری میں ہی ارتقا کی پختہ منازل کو بہ خوبی طے کر لیا ہے۔ "کئی چاند تھے سر آسماں" کا ابتدائی سرا وزیر خانم کی ایک تصویر بن جاتی ہے اور "مٹی آدم کھاتی ہے" کا مکمل مسودہ، جو مشرقی پاکستان کی دردناک کہانی کا غماز ہے۔

ناول کی اصل کہانی سے قبل مصنف نے تین حصوں میں مسودے کی بازیابی، وجہ اشاعت اور کہانی میں اپنے اسلوب کی ملاوٹ کا کل قصہ بیان کیا ہے۔ مسودے کی بازیابی پر مصنف نے اس بات کا اقرار کیا کہ اگر ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کا زلزلہ نہ آتا تو شاید یہ کہانی کبھی منظر عام پر نہ آتی۔ مصنف کو جب مسودہ موصول ہوا تو اس کے ساتھ ایک چٹ بھی تھی، جس میں نمایندے نے لکھ رکھا تھا کہ یہ کاغذات ایک بہت بڑی حویلی کے داہنی سمت والے حصے کے ملبے سے ایک ایسی لاش کے پاس سے ملے تھے، جو ایک بھاری شہتیر کے نیچے دبی ہوئی تھی۔اس جریدے کے نمایندے نے اطلاع دی کہ باقی کی لاشیں حویلی کے وسطی حصے سے نکالی گئی تھیں۔

مسودے کی تکنیک کہیں نہ کہیں آپ بیتی روزنامچے، سوانح عمری کے قریب ترین ہے اس لیے مصنف نے اس بات کو ایک داستان گو کی حیثیت سے یوں بیان کیا ہے:

> "کہ ممکن ہے کہ اس کہانی کو پڑھتے ہوئے آپ کو محسوس ہو کہ ان صفحات کو لکھنے والا نئی کہانی لکھنے کی تکنیک سے آگاہ نہیں تھا، شاید یہی وجہ رہی ہو گی کہ اس نے جابجا عنوانات قائم کر دیے ہیں۔"(۴)

ڈاکٹر شہناز رحمن نے بھی "مٹی ادم کھاتی ہے" کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

> "اس ناول کا مسودہ آپ بیتی روزمرہ یارودداد کی شکل میں تھا لیکن مصنف نے عام ڈگر سے ہٹ کر متعدد راویوں کی تشکیل کردار نگاری میں شدید پیچیدگی اور براہ راست بیان میں بالواسطہ ہونے کا گمان پیدا کر کے اسے ناول کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔" (۵)

مسودے کو بنیاد بنا کر شعوری کاوش سے اس تکنیک کو ناول میں برتا گیا ہے۔ حمید شاہد نے قدرتی آفت (زلزلہ) کے ملبے سے تاریخی آفت کے توسط سے انسانی زندگی کے نشیب و فراز کی داستان رقم کی ہے۔اس ناول کی کہانی میں ایک خاندان کا المیہ بیان کیا گیا ہے ایک انسان، زر اور زمین کی خواہش میں اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ اپنے ہی بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔اس طرح ایک طاقت ور سے جب کوئی چھوٹا اپنا حق مانگتا ہے تو بڑا اپنی ذات وانا کے لیے چھوٹے کے ساتھ ناروا سلوک کرتا ہے ناول نگار نے تاریخ کی اس کڑوی سچائی کو تمثیلی انداز سے تحریر کیا ہے، یہی اس ناول کی خوب صورتی ہے۔اس تکنیک کو خوب صورتی اور کمال فن سے ناول کا حصہ بنایا گیا ہے۔اور قاری جب قاری ناول کے اختتام کو پہنچتا ہے تو مٹی کی محبت، خوشبو اور قدر سے آگاہ بھی ہوتا ہے جو، آدم کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔

اس تکنیک پر مبنی ایک اور تسلسل محمد عاصم بٹ کا ناول "بھید" ہے۔ بھید جہاں وجود کی تلاش کا سفر ہے، وہاں اس تکنیک کو شعوری طور پر ناول کی صنف میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بھید کے مطالعے کے دوران ایک لذیذ سی بے چینی مسلسل ہم رکاب رہتی ہے، یعنی بھید جاننے کی بے چینی، وجود کی تلاش کا سفر کبھی نہ ختم ہونے والا سفر ہے۔ منیر نیازی نے بھی اپنے وجود کی تلاش میں کہ چھوڑا:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

؎ آواز دے کے دیکھ لو شاید مل ہی جائے
ورنہ عمر بھر کا سفر رائگاں تو ہے

[

انسان کا اپنے باطن کی طرف سفر ہمیشہ لاحاصل ہی رہتا ہے۔ دوران سفر اکاونٹنٹ کو مسودہ ملتا ہے تو اس واقعے کو مصنف نے پراسرار انداز میں یوں تحریر کیا ہے:

"قصور کے بس سٹاپ پر ویگن سے نیچے اترا تو ابھی دو ایک قدم ہی آگے بڑھا ہوں گا کہ پیچھے سے کنڈکٹر نے طنزیہ انداز میں آواز دی آپ کا تھیلا بھائی صاحب میں نے تھیلا اس سے لے لیا اسے چھاتی سے لگایا اور مڑ کر چلنے لگا۔ میں نے تھیلا کھولا اور اس کا سامان باہر پلٹا تو یہ میلا کچیلا مسودہ پایا۔ یہ میلے خاکی لفافے میں لپٹا ہوا جس پر لال رنگ کی دوڑی بندی تھی۔ یہ اصل میں کیا ہے؟ ایک ناول ہے یا سوانح عمری یا روز نامچہ یا ان سب کا مجموعہ، لکھنے والے نے ناول لکھنے کے ساتھ ساتھ روز نامچہ لکھنا بھی جاری رکھا۔ پھر ان دونوں طرح کے مسودوں کو علاحدہ نہیں کیا یا اسے اتنی مہلت نہیں ملی۔ لکھائی ایسی ہے، جیسے کسی کند ذہن بچے کا شکستہ خط ہوتا ہے۔ ٹیڑھے میڑھے، الٹے سیدھے حروف نما نشانات لیکن یہ مسودہ میرے ہاتھ آیا محض اتفاق سے یا اس مسودے کے لیے میرا انتخاب کیا گیا۔"(۲)

مسودے کی اس کہانی میں مصنف نے کہانی کا آغاز ڈرامائی انداز میں کیا ہے۔ ناول کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصے کو ضمنی عنوانات کی ذیل میں تحریر کیا ہے۔ محمد حمید شاہد نے "مٹی آدم کھاتی ہے" اور عاصم بٹ نے "بھید" میں مسودے کی موجودگی، اس کی خستہ حالی اور بے ترتیبی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس احساس کو ابھارا ہے کہ مصنف نے ٹکروں کو جوڑ کر کہانی لکھی ہے۔ بھید کی کہانی بھید ہی رہتی ہے۔ اگرچہ یہ کہانی ہمارے شکستہ معاشرے کی نقاش ہے اور ایسے بہت سے افراد سے روشناس کرواتی ہے، جو ہمارے ارد گرد زندگی کے لیے تگ و دو کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ تکنیک قاری کو آخر تک ناول سے جوڑے رکھتی ہے۔ اکیسویں صدی میں مسودے کی تکنیک اگرچہ ناول کی روایت میں نووارد اور اچھوتا تجربہ ہے۔ یہ تجربہ اپنی کم عمری میں ہی کمال ہنر مندی کے جوہر دکھانے میں کام یاب محسوس ہوتا ہے اور قاری کے لیے قابل گرفت بن جاتا ہے بلکہ اختتام تک اس تکنیک کے ذریعے ناول میں تجسس کو برقرار رکھتا ہے۔ "مٹی آدم کھاتی ہے" میں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی تلخ حقیقت کو رومان کے پردے میں لپیٹ کر تشدد آمیز حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ دکھ اور سکھ زندگی کا حصہ ہیں۔ محمد حمید شاہد نے منفرد قصہ گو کی حیثیت سے اس حساس موضوع کو اپنی تحریر کے قالب میں ڈھالا ہے اور قاری کو حساسیت کے پردے میں زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں۔ مسودے کی تکنیک میں کہانی کارپرت در پرت واقعات اور کرداروں کی گرہیں کھولتا ہے اور اس گورکھ دھندے کو خاص نہج پر پہنچ کر آشکار کرتا ہے۔

خواب سراب مسودے کی روایت کی ایک مضبوط کڑی ہے، جو کہ ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر انیس اشفاق نے اس ناول کی تکنیک میں مسودے کی تکنیک کو برتا ہے۔ ناول کا واحد متکلم کردار رسوا کے ناول امراو جان ادا کا اصل مسودہ تلاش کرنے کے دوران میں ہی اپنی کہانی کا آغاز کر دیتا ہے اور پورا کا پورا ناول اسی تلاش کی کہانی پر مبنی ہے۔ اسے امراو جان ادا کے ایسے کسی مسودے کی بھنک پڑتی ہے، جس میں وہ صاحب اولاد ہوتی ہے اور آخر کار وہ جہاں دار بیگم کی حویلی سے اس مسودے کو کھوج ہی لیتا ہے۔ خواب سراب میں مسودے کی تکنیک کا پختہ ارتقاد کھائی دیتا ہے۔ یہ ناول اس تکنیک کے تسلسل میں کہیں نہ کہیں انحراف بھی پیدا کرتا ہے کہ مصنف نے کہانی سے پہلے ایک کہانی کی تخلیق نہیں کی بلکہ پورا ناول ہی اسی مسودے کی تلاش میں بن دیا اور اس تلاش کے دوران میں ملنے والے لوگوں کی کہانی کو تحریری شکل میں پیش کیا۔ واحد متکلم کے مطابق وہ امراو جان ادا کی بیٹی تک پہنچ جاتا ہے اور اس کی نسل کو ختم ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ناول کے آخر میں آنکھوں دیکھے حالات کو قلم بند کرنے کے لیے علی حیدر کا بیٹھ جانا اس بات کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

طرف اشارہ کرتا ہے کہ کوئی نیا تسلسل پھر سے وجہ تحریر بن سکتا ہے۔ ناول کا آخری کردار ہیگا کا غائب ہو جانا ذو معنی ہے۔ کون جانے کہ یہ ایک نئی کہانی کا موجب ہے یا اس نسل کا اختتام۔

معروف فکشن رائٹر ڈاکٹر انیس اشفاق نے لکھنؤ کے تہذیبی و ثقافتی تناظر میں ناول تحریر کیے ہیں۔ ناول "خواب سراب" ۲۰۱۸ء میں شائع ہونے والے ناولوں میں سے ایک شاہ کار ہے۔ پاکستان میں یہ ناول ۲۰۱۸ء میں سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہوا ہے۔ انیس اشفاق نے قصّے کو مرزا ہادی رسوا کے ناول "امراؤ جان ادا" کی کہانی سے جوڑتے ہوئے متذکرہ ناول میں آگے کا احوال فرضی کرداروں اور واقعات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر انیس اشفاق کو ادبی حلقوں میں لکھنو کی دل فریب عکاسی ناول کے رنگ میں پیش کرنے کے سبب شہرت حاصل ہوئی۔ متذکرہ ناول "خواب سراب" میں لکھنو کو مشترکہ تہذیب و ثقافت کے تناظر میں دکھانے کی بھرپور اور کام یاب سعی کی گئی ہے۔ ناول میں موجود کربلائیں، درگاہیں، مسجدیں، امام باڑے، باغات اور محل سرائے محض ایک جغرافیائی بیانیہ نہیں ہے بلکہ پوری تہذیب کا استعارہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ "خواب سراب" میں لکھنؤ کے باشندے، یہاں کے لسانی تغیرات، بدلتے سماجی حالات واقدار، اعلیٰ روایتی شان و شوکت کے مینار بند مٹھی میں ریت کی مانند پھسلتے محسوس ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انیس اشفاق نے امراؤ جان کی اگلی نسلوں کے شکستہ حالات اور ان کے شب و روز کو بھی نہایت چابک دستی سے بیان کیا ہے۔ ناول کا مرکزی خیال لکھنو کی تہذیب کے زوال اور جنگ آزادی سے قبل آصف الدولہ کے دور کی نوابی شان و شوکت اور بعد کے حالات کا احاطہ کرتا ہے۔

ناول کا واحد متکلم کردار علی حیدر ناول کا آغاز امراؤ جان ادا اور مرزا ہادی رسوا کے زمانے میں لکھنؤ اور یہاں کے اقدار و روایات اور جغرافیائی حدود حال سے کرتا ہے۔ متذکرہ ناول کی کہانی امراؤ جان کی اصل کہانی کا مسودہ تلاش کرنے کی ایسی سچی کیفیات سے مزین ہے کہ واحد متکلم جس مسودے کی تلاش و بسیار میں سرگرداں ہے، اپنے حقیقی رنگ کے ساتھ موجود ہے۔ ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری اس تلاش اور کھوج کو حقیقی تصور کرنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ رسوا کا وہ مسودہ فی الحقیقت موجود تھا، جسے علی حیدر تلاش نے نکل پڑا تھا۔ اسی کھوج کے درمیان کہانی میں کردار، واقعات اور مکالمات کی روشنی میں پلاٹ ترتیب دیا گیا ہے۔ واحد متکلم کا نقطہ تلاش اس مسودے میں امراؤ جان کا صاحب اولاد ہونا اور اس اولاد تک رسائی حاصل کرنا ہے۔

ناول میں واحد متکلم کردار اس مسودے کی کھوج میں نکلتا ہے اور لکھنؤ میں موجود ایسے تمام اہل علم افراد سے ملاقات کرتا ہے، جو کتابوں کے رسیا اور نوادراتی فرائض سے منسلک معلوم ہوتے ہیں۔ انھی لوگوں کے توسط سے وہ اصل مسودہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس دوران کئی کردار، واقعات اور علامات متن کا حصہ بن کر سامنے آتی ہیں۔ ناول کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ طوائفوں کی اس رہ گزر میں لکھنو کا جو جغرافیہ کھینچا گیا ہے، وہ قابل تحسین ہے۔ "خواب سراب" میں منفرد بات یہ ہے کہ تحقیق کا عمل اور طریقہ کار دکھایا گیا ہے اور وہ اپنے لوازمات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ محقق اپنا تمام تر وقت اور توجہ اس کام میں صرف کرتا محسوس ہوتا ہے۔ ناول میں موجود لکھنؤ کی تہذیبی اور ثقافتی عمارتوں، موسیقاروں، طبلہ نوازوں، ستار نوازوں، سوز خوانوں، علاقوں، خانقاہوں، کربلاؤں، درگاہوں، روضوں، سیر گاہوں، امام باڑوں، محل سراؤں، مساجد اور باغات کے حوالے سے محاکات نگاری کا نمونہ پیش کیا ہے۔ مصنف نے گہری تحقیق اور جغرافیائی محل وقوع کو مد نظر رکھتے ہوئے قصّے کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا ہے۔ مسودے کی تلاش میں واحد متکلم کردار کو جہاں دار بیگم کی حویلی تک رسائی ملتی ہے، جو مرزا رسوا کی رشتے دار بن کر سامنے آتی ہیں۔ وہ جہاں دار بیگم کی حویلی میں مرزا رسوا کے مخطوطات کی جانچ پرکھ کرتا ہے اور وہاں موجود صہبا خانم کی بیٹی شہبا کی مدد سے وہ مسودہ حاصل کر لیتا ہے، جس میں امراؤ جان صاحب اولاد ہوتی ہے اور فیض علی کی ایک بیٹی لے کر لکھنو واپس آتی ہے اور پھر تادم آخر یہیں مقیم رہتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

تلاش کے اس عمل میں وہ شہبا سے محبت کرنے لگتا ہے۔ دونوں مل کر اصل مسودے اور شائع کردہ کتاب کا بہ غور مطالعہ کرتے ہیں اور تقابلی رنگ میں ان دونوں کے فرق کو واضح کرتے ہیں۔ جہاں دار بیگم علی حیدر کو اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتی ہیں اور اپنی تمام جائیداد کا متولی بناتی ہیں۔ جہاں دار بیگم کو دمہ کا مرض ہے جو کہ انہیں اپنی ماں سے ملا ہے۔ ان کی تیمارداری کے دوران واحد متکلم امراؤ جان کی بیٹی شمیلہ خانم کو تلاش کرنے کا عمل بھی جاری رکھتا ہے۔ شمیلہ خانم کی کھوج کے دوران اس کی ملاقات سردار جہاں سے ہوتی ہے جو کہ لکھنؤ کی ایک دوسری مشہور طوائف امراؤ بیگم کی بیٹی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ انھی سردار جہاں کی معاونت کے سبب وہ امراؤ جان کی بیٹی شمیلہ خانم کے ٹھکانے تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں دار بیگم دمہ کی بیماری کی وجہ سے دنیائے فانی سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ ان کی وفات کے بعد علی حیدر حویلی جانا چھوڑ دیتا ہے اور جب کافی دن بعد شہبا کی خیریت معلوم کرنے جاتا ہے تو شہبا بھی حویلی چھوڑ کر جا چکی ہوتی ہے۔

علی حیدر شہبا کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ آخر کار وہ ایک بڑے ہسپتال میں زیر علاج ملتی ہے، جو اپنی ماں ہی کی طرح دمہ اور پھیپھڑوں کے مرض سے کچھ دنوں کی علالت کے بعد انتقال کر جاتی ہے۔ امراؤ جان کی بیٹی شمیلہ خانم اور شمیلہ خانم کی بیٹی سہیلہ خانم شہبا کی تیمارداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں اور پھر علی حیدر شمیلہ خانم کے ٹھکانے پر آنے جانے لگتا ہے۔ اسی دوران وہ سردار جہاں کی بھانجیوں ہیگا اور کمو سے بھی رابطے میں رہتا ہے۔ شمیلہ خانم کے ٹھکانے پر وقت گزارنے سے علی حیدر کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ شمیلہ خانم کے دل میں سوراخ ہے اور اسی مرض کے باعث وہ جلد ہی دنیا سے کوچ کر جائیں گی۔ سہیلہ اور علی حیدر مل کر ان کی تیمارداری کرتے ہیں اور اسی دوران محرم کا مہینہ آجاتا ہے۔ وہ دونوں محرم کی تمام تر رسوم اور مجالس میں ایک ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ آخر کار عاشورے کے بعد شمیلہ خانم کی وفات ہو جاتی ہے۔ ایک سال کا عرصہ ابھی گزرا نہیں کہ سہیلہ خانم بھی اپنی ماں والے مرض ہی میں مبتلا پائی جاتی ہیں اور اگلے محرم آنے سے پہلے علی حیدر کے ہاتھوں میں دم توڑ دیتی ہے۔

علی حیدر جو کہ شہبا کے بعد اب سہیلہ خانم سے محبت کرنے لگتا ہے، اسے بھی کھو دیتا ہے۔ اس تمام عرصے کے دوران ہیگا اور کمو سے ملاقات نہیں ہو پاتی اور جیسے ہی محرم کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے علی حیدر مجالس میں شرکت کے لیے امام باڑوں کا رخ کرتا ہے تو وہاں ہیگا سے اچانک ملاقات پر اسے معلوم پڑتا ہے کہ کمو اس دنیا میں نہیں رہی۔ ان دونوں کے درمیان ایک سال میں پڑی مصیبتوں کا احوال جاری رہتا ہے کہ علی حیدر دریا کے کنارے چلتے چلتے پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے۔ ہیگا اسے کہیں نظر نہیں آتی۔ مصنف نے ناول کا اختتام اسی منظر پر کیا کہ واحد متکلم کردار ہیگا کو آوازیں دے کر تلاش کرتا ہے مگر وہ اسے کہیں نہیں ملتی۔ لکھنؤ کی دو بڑی طوائفیں امراؤ جان اور امراؤ بیگم کی آنے والی نسلیں جڑ سے ختم ہو چکی تھیں۔

ناول کا مرکزی موضوع لکھنو کی تہذیبی و ثقافتی قدروں کا زوال ہے۔ ناول نگار نے جنگ آزادی سے قبل لکھنؤ کی تاریخی عمارات کی آرائش اور بعد کے شکستہ پا احوال کو مکالماتی شکل میں دل چسپ انداز سے اپنے فن کا ثبوت پیش کیا ہے۔

ناول کے ضمنی موضوعات میں طوائفوں کے شکستہ حالات اور اس سے جنم لینے والے مسائل اور جان لیوا بیماریوں کا تذکرہ، لکھنوی پکوانوں کا ذکر، نوادرات سے لگاؤ رکھنے والے لوگوں کا ذکر، جنگ آزادی سے قبل اور بعد کے احوال، شکستہ تاریخی عمارات کا پس منظر اور موجودہ صورت حال، لکھنوی کھیلوں کا تذکرہ، آلات موسیقی سے واقفیت اور ان کا تذکرہ کے علاوہ اردو ادب کے چند مایا ناز شاعروں اور ادیبوں (میر تقی میر، میر انیس، رجب علی بیگ سرور، میر شیر علی افسوس، غالب، مرزا دبیر) کا ذکر بھی فرضی انداز میں کیا گیا ہے۔

فنی لوازمات کے نقطہ نظر سے "خواب سراب" کا جائزہ لیا جائے تو فن پارے میں کہانی، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، جزئیات نگاری، موضوع یا نقطہ نظر اور اسلوب جیسے عناصر کا جائزہ پیش کرنا مقصود ہے۔ ناول سے منسلک تمام اجزائے ترکیبی کا تعلق ایک دوسرے سے باہم مربوط ہوتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"خواب سراب" قصہ یا کہانی کے اعتبار سے ایک ایسا فن پارہ ہے، جو قاری کو بالکل سچ اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ناول کی کہانی اردو ادب کے ایک کلاسیک ناول "امراؤ جان ادا" کا تسلسل ہے۔ کہانی میں سب سے اہم عنصر دلچسپی اور تجسس کا ہوتا ہے اور متذکرہ ناول کی کہانی میں مصنف نے وقتاً فوقتاً ایسی دلچسپیاں چھوڑی ہیں کہ وہ قاری کو اپنے سحر میں مقید رکھتی ہیں۔ ناول کی کہانی قصہ در قصہ ہے۔ ایک طوائف سے دوسری کا ذکر اور پھر اس تک رسائی پر ایک نئے قصے کی بھنک بڑے تسلسل اور متوازن انداز میں قصے کو آگے بڑھاتی ہے۔ ناول کے آخر میں بھی ایک کردار حیران کن اور تجسس آمیز بیانیہ پر مبنی ہے، جو ناول کے اختتام پر آمادہ ہونے نہیں دیتا ہے۔ متذکرہ بالا اقتباس درج ذیل ہے:

> "یہیں سہیلہ کی طرف بہت سے بندر لپکے تھے اور وہ چیخ کر مجھ سے لپٹ گئی تھیں۔" یہ کہہ کر میں آگے والے پل کی طرف چلنے لگا کچھ دیر بعد مجھے محسوس ہوا بینگا میرے ساتھ نہیں ہیں۔ اندھیرا پھیل چکا تھا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بہت دور تک کہیں نظر نہیں آئیں۔ میں نے زور زور سے پکارنا شروع کیا۔ بینگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بینگا۔۔۔۔۔۔۔ میں جتنی بار پکارتا میری آواز کوٹھی فرخ بخش کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آتی۔ ناچار میں اپنے ٹھکانے پر لوٹ آیا اور اس کتاب کو جو شمیلہ خانم کو نہیں دکھا سکا تھا، لکھنا شروع کر دیا۔" (۷)

مندرجہ بالا اقتباس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بینگا کا اچانک غائب ہو جانا ممکن ہے کہ ایک نئے قصّے کا موجب بنے یا پھر اس کے بھی اس دنیا سے چلے جانے کی علامت ہے۔ کہانی میں آخر تک اس بات کا تجسس باقی رہتا ہے کہ وہ اس وصیت پر عمل کرتا ہے یا نہیں، جو جہاں دار بیگم نے اس کے لیے چھوڑی تھی اور پھر یہ معاملہ بھی ناول کے اختتام پر بھی باحجاب ہی رہتا ہے۔

ناول خواب سراب کا پلاٹ ترتیب وار موتیوں کی صورت ایک لڑی میں پرویا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ناول نگار نے واقعات کے بیانیہ میں منظم تسلسل کا بہ خوبی التزام رکھا ہے۔ ایک واقعہ کو دوسرے واقعے کے ساتھ یوں مربوط کیا جیسے موتیوں کی اس لڑی میں مختلف رنگوں کے نگینے جڑے ہوں۔ ناول کا پلاٹ واقعات کا مرکب ہے مگر ان واقعات کا تعلق صرف ایک ہی قصے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ جیسا کہ کتاب "ناول کا فن" میں مصنف نے پلاٹ کے حوالے سے یوں درج کیا ہے:

> "پلاٹ بھی واقعات ہی کا بیان ہے مگر اس میں اسباب و علل پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے___ "بادشاہ مر گیا اور پھر ملکہ مر گئی۔" یہ ایک کہانی ہے۔ "بادشاہ مر گیا اور پھر اس کی موت کے غم میں ملکہ مر گئی۔" اس میں زمانی تسلسل کو ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن علت اور معلول کا شعور اس پر غالب ہے۔" (۸)

الغرض "خواب سراب" میں پلاٹ کی بنت سادہ اور عام فہم مرکبات سے کی گئی ہے۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

> "میں نے شہبا سے کاپی اور دونوں کتابیں لیں اور اس سے یہ کہہ کر اپنے ٹھکانے پر آ گیا کہ دو چار دن نہ آؤں تو پریشان مت ہونا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دوسرے دن صبح کی اذان ہوتے ہی میں اٹھ بیٹھا اور روشنی پھیلنے سے پہلے ہی چائے پی کر وہ تینوں چیزیں جو میں شہباز سے لے کر آیا تھا اپنے سامنے لے کر بیٹھ گیا۔"(۹)

متذکرہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مدلل، منطقی اور ذہنی نقطہ نظر سے واقعات کو پلاٹ کی ذیل میں دیا جاتا ہے۔ پلاٹ کسی ناول کی تحریر میں دل چسپی اور تجسس کا سا پراسرار حجاب ڈال دیتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ پلاٹ جس قدر زیادہ پراسرار ہو گا اسی قدر تحریر پیچیدہ ہو گئی۔ "خواب سراب" کا پلاٹ سادہ اور عام فہم تسلسل پر مبنی ہے۔ پلاٹ کہانی کی نئی کروٹ کا عندیہ پیش کرتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ناول میں اجزائے ترکیبی کا ایک دوسرے سے پیوست ہونا ایک ایسے مجسمے کی مثال ہے، جو اپنے تمام اعضا کے ساتھ بہترین شاہ کار نظر آتا ہے۔ کردار اور مکالمات ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ انھی کے دم سے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ ناول میں موجود کردار اور واقعات عظیم سادگی اور پرکاری کا نمونہ ہیں۔ ان مقامات میں جذبات و احساسات کی مرقع نگاری اپنی آب وتاب کے ساتھ واضح ہے۔ ناول نگار نے مشکل اور پیچیدہ خیالات کو بھی سادہ الفاظ کے قالب میں ڈھالا ہے۔ مصنف نے الفاظ کو تصویروں کا اور تصویروں کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے اور ان میں احساسات اور کیفیات کو مجسم انداز میں پیش کیا ہے۔

کرداروں کی عکاسی مکالمات اور مکالمات کی عکاسی کردار ہی کرتے ہیں۔ مکالمہ نگاری کے حوالے سے "خواب سراب" واحد متکلم کا بیانیہ ہے، جو اپنی کہانی میں مختلف کرداروں سے مکالمہ کرتا ہے۔ واحد متکلم ایک مسودے کی تلاش میں نکلتا ہے اور مختلف لوگوں سے معلومات حاصل کرتا ہے۔ کرداروں کی تقسیم کے حوالے سے ڈاکٹر انیس اشفاق کا طریقہ کار منفرد ہے۔ انہوں نے ناول کے ابتدائی حصے میں واحد متکلم کی ملاقات تمام مرد کرداروں سے کروائی ہے جب کہ جہاں دار بیگم کی حویلی پہنچنے کے بعد اہم کرداروں میں حکیم صاحب کے علاوہ خواتین کا ہی شمار ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ مرد وزن کرداروں کی تقسیم کا یہ عمل لاشعوری طور پر کیا گیا ہو مگر اس تقسیم سے پلاٹ کا مربوط اور مضبوط ہونا دیکھا جاسکتا ہے۔

ناول کے مکالمات سادہ اور دل چسپ ہیں۔ ناول نگار نے قصّے کی پیش کش میں تین نسلوں کا احوال اور ماحول واضح پرکاری کے ساتھ دکھایا ہے۔ پہلی نسل کا آغاز امراؤ جان، دوسری امراؤ جان کی بیٹی شمیلہ خانم جب کہ تیسری اس کی بیٹی سبیلہ خانم پر اس کی نسل کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔ ہر دور کے لوگوں کی عمروں اور زبان وبیان میں فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ امراؤ جان اور جہاں دار بیگم کے مکالمات لکھنؤ کی اسی زبان وبیان کے عکاس ہیں، جو اس دور میں رائج تھی جب کہ شمیلہ خانم اور اس کے بعد آنے والی نسلوں کے دور میں زبان کا انداز باریکی کے ساتھ نہیں بنا گیا ہے، جو جہاں دار بیگم کے مکالمات میں جھلکتا ہے۔ یعنی تہذیبی اور ثقافتی اقدار میں زبان کا عامیانہ پن بھی اپنے درجات سے غیر محسوس پستی کی طرف زوال آمیز رویوں کا متذکر ہے۔ جہاں دار بیگم کی حویلی میں ہونے والے مکالمات میں غلط العوام الفاظ کی تصحیح سے ایک صدی پہلے کی لکھنوی زبان کی عکاسی جابجا محسوس ہوتی ہے۔ جب سلیمن اور جہاں دار بیگم عربی گرامر کے ساتھ الفاظ کی تصحیح کرتیں اور پس منظر بھی بیان کرتی ہیں۔ ناول کے مکالمات میں اپنائیت اور جہاں دار بیگم کی اولاد نہ ہونے کے سبب احساس کمتری باخوبی محاکات نگاری کا نمونہ ہے:

"تو کیا سوچا تم نے؟"

"کس بارے میں؟"

"یہاں رہنے اور میرے مختار بننے کے بارے میں۔"

"بتاؤں گا، کتاب مل جانے دیجئے۔"

"اور شادی؟"

"پہلے کسی لائق تو ہو جاؤں۔"

"جب مختار بن جاؤ گے تو کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی تمہارے پاس۔"

"مجھے اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے۔"

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"جیسی تمہاری مرضی۔" یہ کہہ کر جہاندار بیگم نے ٹھنڈی سانس بڑھتے ہوئے کہا:

"میرے نصیب میں نہیں ہے اپنی بہو کو دیکھنا۔"

میں چپ رہا اور کچھ دیر بعد ان سے اجازت لے کر اپنے ٹھکانے پر چلا آیا۔"(۱۰)

ناول کے اہم کرداروں میں جہاں دار بیگم، سردار جہاں، شمیلہ خانم، سبیلہ خانم، شہبا، بینگا، کمو اور سلیمن کے علاوہ حکیم احمد رضا کا کردار بھی اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ ناول نگار نے کرداروں کی پیش کش میں جزیات نگاری سے کام لیتے ہوئے ان کے حلیے لباس و آرائش کو بڑے عمدہ الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ناول نگار کسی بھی منظر یا شخصیت کا خاکہ کھینچنے کے لیے منظر نگاری اور جزیات نگاری کے توسط سے اپنے فن کا اظہار کرتا ہے۔ وہ قاری کے ذہن میں ڈرامائی تصویر کشی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ جزیات نگاری کے حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباس شامل کیا جاتا ہے:

> "میں اس کرسی پر جو میرے آنے سے پہلے میرے بیٹھنے کے لیے دالان میں صحنچی کے قریب رکھ دی گئی تھی، بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے کے کچھ دیر بعد صحنچی میں پڑا ہوا ریشمی پردا ہٹا تو ایک بڑے سے تخت پر بچھے ہوئے عمدہ نقش و نگار والے ایرانی قالین پر بہت سبک ناک نقشے والی ایک بہت خوب رو خاتون زری کے نفیس کام والی ہلکے سبز رنگ کی ساڑھی پہنے بیٹھی نظر آئیں جو اپنے سامنے رکھے ہوئے خاص دان میں سے پانی نکال کر منہ میں رکھ رہی تھیں۔" (۱۱)

منظر نگاری ناول کے اجزائے ترا کیبی میں سے ایک اہم عنصر ہے۔ تحریر کے مطالعے کے درمیان منظر نگاری کے مرقعے جابجا ملتے ہیں۔ لکھنو میں موجود تاریخی عمارات کی منظر کشی حیران کن تصویری رنگ کا عندیہ پیش کرتی ہیں۔ مصنف نے جغرافیائی حدوحال کو الفاظ کا رخ دیتے ہوئے بہترین محاکات نگاری کی ہے، جس کی مثال درج ذیل ہے:

> "میں سلیمن کے ساتھ اندر داخل ہوا تو لڑکی نے ہم دونوں کو ایک بڑے سے دالان میں ایک ایسی تپائی پر لے جا کر بٹھایا جو پایوں کے بجائے گمّوں پر ٹکی تھی۔ دالان میں دو چھوٹی چھوٹی چٹائیاں بچھی تھیں اور دونوں چٹائیوں پر ڈھائی تین فٹ لمبی بہت کم اونچائی والی دو چوکیاں پڑی تھیں۔ ایک چوکی پر ایک بڑی سی رکابی میں آٹے کی لی رکھی تھی اور لفافے رکھے تھے جن کے کاغذوں کو موڑا جا چکا تھا اور جن پر لئی لگائی جانا باقی تھی۔ دوسری چوکی پر رنگ رنگ کے بہت سے کاغذ مڑے رکھے تھے اور انہیں کاغذوں کے پہلو میں کانپ ٹھڈّے، اور ان کانپ ٹھڈوں کے برابر ایک بڑے سے ایلومونیم کے پیالے میں تو تیا ملی ہوئی نیلے رنگ کی لئی۔ لڑکی نے آنکھیں چھوڑ کر اپنا پورا چہرہ چھپا رکھا تھا ہمیں تپائی پر بٹھا کر اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے ہمارا آنا اسے پسند نہ آیا ہو۔"(۱۲)

مصنف نے واحد متکلم کا کردار ایک ایسے محقق کی صورت میں پیش کیا ہے، جو اس عمل سے واقف ہے اور ایک نقطے کی تلاش میں نئی کہانی مرتب کر رہا ہے۔ مصنف کا انداز کبھی کسی معاشرے، کبھی کسی محقق، کبھی ڈرامہ نگار، کبھی موسیقار، کبھی مصّور اور کبھی کسی طوائف کا سا ہو جاتا ہے۔ مصنّف کا قلم ہر نئے کردار کے آنے پر پینترا بدل کر نیا لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور کہانی کی سحر کاری میں اسلوب ایک ایسی کڑی ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ناول کا اسلوب سادہ ہے۔ نظر جب تحریر کا طواف کرتیں ہے تو ناول نگار کے قلم کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ تحریر کی بنت محاورات، اشعار، فارسی تراکیب اور تاریخی حوالوں سے بھری پڑی ہونے کے باوجود اس قدر سادہ اور دل چسپ ہے کہ قاری اس کے سحر میں گم ہی رہتا ہے۔ ناول نگار اپنے موضوع کو بیان کرنے اور قارئین کے اذہان تک رسائی دینے میں کامیاب محسوس ہوتا ہے۔ الفاظ کا چناؤ اور ان کا جملے کی ساخت میں مناسب

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

استعمال انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ناول "خواب سراب" کی تحریر میں روانی و برجستگی باخوبی پائی جاتی ہے۔ناول کی تحریر میں پختگی اور جذبات کی شدت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ ناول کی تحریر میں اسلوب کا عنصر اپنی مثال آپ ہے۔المختصر یہ کہ لکھنو کی شکستہ پا اقدار و روایات کا نوحہ رقم کرنے میں ڈاکٹر انیس اشفاق نے ایک مکمل کوشش "خواب سراب" کی شکل میں قارئین کی نظر کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ناصر عباس نیر،"موضوع اور تکنیک کی ہم آہنگی کی عمدہ مثال"،حمید شاہد،مٹی آدم کھاتی ہے،کراچی:اکادمی بازیافت ص

۲۔اسلم سراج،نالہ گرم:آہ سرد،۱۹مارچ،۲۰۰۹ء۔https://novelshahid.blogspot.com/2009/03/blog-post_19.html?m=1

۳۔شمس الرحمن فاروقی،کئی چاند تھے سر آسماں،کراچی:شہرزاد،۲۰۱۱ء ص: ۴۰۔۴۱

۴۔حمید شاہد،مٹی آدم کھاتی ہے،کراچی:اکادمی بازیافت،۲۰۰۷ء ص: ۶۲

۵۔شہناز رحمان،"بیانیہ میں ایک نیا تجربہ"،ادبی میراث: ۱۵ستمبر ۲۰۲۰ء https://adbimiras.com/mitti-adam-khaati-hai-shahnaz-rahman/

۶۔عاصم بٹ،بھید،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء ص:۱۱

۷۔انیس اشفاق،ڈاکٹر،خواب سراب،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء،ص: ۴۵۔

۸۔ابوالکلام قاسمی(مترجمہ:ای ایم فاسٹر)،ناول کا فن،علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاوس،۱۹۹۲ء،ص:۷۰

۹۔انیس اشفاق،ڈاکٹر،خواب سراب،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء،ص:۱۷۶

۱۰۔ایضاً،ص:۱۱۸

۱۱۔ایضاً،ص:۳۷

۱۲۔ایضاً،ص:۱۲۰